



لالہ الہی

نیلیم ریاست



لال بتی

میں آج کالج کے لیے نکلنے میں لیٹ ہو گیا تھا۔ وجہ کل رات کو منعقد ہونے والی میرے کزن کی سالگرہ پارٹی تھی۔ آدھی رات کے بعد کہیں جا کر سویا تو صبح آنکھ نہیں کھلی۔ خواب میں میری پر جوش مگیٹر ہاتھ ہلا ہلا کر مستقبل کی ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے الجھ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مہذب اور تیز والے دو بچے ہی اچھے مگر میں اپنے کزن کے ہر سال بڑھنے والے کنبے سے انپائر ہو گیا تھا۔ امی نے کوئی دس دفعہ تو مجھے جگایا ہوتا ہے۔ آخر وہ بھی تھک کر مجھے میرے حال پہ چھوڑ گئیں۔ نیند کی وادی میں شتر مرغ کی سواری کرتے ہوئے میرے دماغ کی سکرین پہ ایک عبارت بڑے جلی حروف میں روشن ہوئی جس میں لکھا تھا۔ "اوائے خبیث انسان اٹھ جا آج تیرا بیا لوجی کا رزلٹ آنا ہے۔"۔۔۔ نہیں نہیں پرچے کا رزلٹ نہیں۔ بلکہ روٹین کے ہونے والے ٹیسٹ کا رزلٹ۔ اب آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ مجھے رزلٹ کی فکر اس لیے ہوتی ہے کہ میں کوئی تعلیم کا بڑا ہی شوقین اور اپنے ساتھی کلاس والوں سے سبقت لے جانے کا خواہش مند طال علم ہوں۔

نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ بلکہ ناگفتہ بہ رزلٹ کی صورت میں مجھے ابا حضور سے گنتی کی زحمت سے مستثنیٰ پڑنے والے لٹر رزلٹ کے بارے محتاط رکھتے ہیں۔ اگر آپ کی ابا حضور کے گیارہ نمبر جوتے سے ڈھلائی

ہوئی ہوتی تو آپ کو میرے درد کا اندازہ پہنچ جاتا۔ خیر آخری دفعہ جب بیچ گھر کے 'امی کے کپڑے دھونے والے ڈنڈے کے ساتھ ابا حضور نے میرے پنڈے کو نیل کرائیاں میلکاں 'میرا تن من نیلو نیل کیا تھا اس دن مابدولت عزت ماب جناب کرم اللہ صاحب نے اپنے سر کی قسم کھائی تھی آج کے بعد کچھ بھی ہو جائے فیل نہیں ہونا نہ کسی پرچے میں نہ کسی ٹیٹ میں۔ یوں اس کے بعد سے ابھی تک میرا سلامت ہے۔"

پچھلے دو منٹ سے بس شینڈ پہ کھڑا ہوں۔ اگر آج پینتالیس منٹ والی بس بھی نکل گئی نا تو خیر نہیں۔۔۔ بس شینڈ پہ میرے علاوہ اور بھی لڑکیاں لڑکے کھڑے تھے۔ کچھ ملازم افراد تھے۔ تقریباً وہی چہرے جو ہر روز اس شینڈ پہ نظر آتے ہیں۔

شکر ہے آج گرمی اتنی نہیں محسوس ہو رہی 'وجہ ہوا کے نرم جھونکے ہیں جو بڑی خاموشی سے جسم کو چھو کر گزر رہے ہیں۔ ورنہ تو صبح صبح ہی عرق ٹکنا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی کے ڈائیل پہ نظر ڈالنے کے بعد میں نے سڑک پہ اس جانب نظر ڈالی جہاں سے میری سواری باد بہاری کی تشریف آوری ہوتی تھی۔ نہ جانے کہاں رہ گئی۔

"میں نے ہر اک ظلم برداشت کیا۔ کبھی تجھ سے شکوہ نہیں کیا۔"

کان میں پڑنے والے ان فقرات پہ چونک کر میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ پہلی نظر میں دکھائی نہیں دیا کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔

"دین محمد کی ماں بڑی سخت دل عورت تھی۔ دن چڑھتے ہی مجھے بیل کی طرح جوتی اور سارا دن اسکے حکم ختم نہ ہوتے۔ سٹیڈیم جیسے بڑے صحن میں روز پونچھا لگواتی۔ حالانکہ گھر میں گند ڈالنے والا تھا ہی کون؟۔۔۔ تین ہی تو جانیں تھیں 'ایک دین محمد 'دوسری اسکی شاطر ماں 'اور تیسری کرموں جلی میں۔۔۔ گھٹ ہانو۔۔۔ دین محمد کی ماں طعنے دیتی کہ گھٹ ہانو صرف مردہ بچے پیدا کر سکتی ہے۔ ایک کے بعد ایک میں نے تین مردہ بیٹیاں جنیں۔۔۔ ہائے، نامکمل پیدائش کی وجہ سے ان کے جنازے بھی نہیں پڑھے گئے۔۔۔"

میں دوسری متوقع سواریوں سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میری نظروں کے عین سامنے فٹ ہاتھ پہ گندی اور بد رنگ چادر میں چھپا وجود تھا جو بغیر ہلے چلے بالکل ساکت پڑا تھا۔ صرف آواز سے علم ہوا تھا کہ اس چادر کے نیچے

"میں نے کہاں کہاں دیے نہیں جلائے۔۔۔ سلطان باہو بابا فرید گنج شکر، پیر مہر علی شاہ، ہائے میرے داتا صاحب میں نے تیرے ہر ہر فقیر کے در پہ کھڑے ہو کر تجھے آواز دی۔ میں نے غم کو اپنے اندر اتار لیا۔ تجھ سے مایوس نہیں ہوئی۔ مانگتی رہی مانگتی رہی۔۔۔ آخر تجھے علی اصغر کی صورت میں نگہت بانو پہ رحم آ ہی گیا۔ میری راتیں سیاہ تھیں۔ میرے دن بے رونق۔۔۔ تو نے میرے اندر چراغ جلا دیا۔ میرا آنکھن چمک اٹھا۔ روشنائی دور دور تک نظر آتی۔ میں ہر غم بھول گئی۔ ہر درد کو مات ہو گئی۔ میں ساری ساری رات تیرے در سے سر نہ اٹھاتی۔۔۔ شکرانے کے دینے میں نے اپنی آنکھوں سے جلائے۔ اٹھتے بیٹھتے میں نے تجھ سے اسکی زندگی مانگی۔ اور تو نے ایک دفعہ پھر مجھے نواز دیا۔ جس دن میرا علی اصغر دنیا میں آیا میری ساس نے حلوائی بٹھا کر خاص جلیبیاں بنوائیں۔ سارے گاؤں کو جلیبیاں بانٹیں گئیں۔ اُس دن جو خوشی میں نے اپنی ساس کے چہرے پہ دیکھی اُس خوشی کے صدقے میں نے اپنی ساس کی ساری زیادتیاں معاف کر دیں۔ میں بھی بڑی پاگل ہوں۔ تجھے بتانے کا کیا فائدہ تو تو پہلے سے ہی جانتا ہے۔ بھلا تیری نظر سے کچھ پوشیدہ بھی ہے؟۔۔۔ تو ان کہی باتیں جاننے والا۔۔۔ تو مجھے رازوں کا عالم۔۔۔ پر کیا تجھے نظر آتا ہے؟ تیرے بنائے انسان کیسے اس دنیا سے رنگ چوس چوس کا سارا حسن کھا گئے؟۔۔۔ لبوں کی ہنسی کھا گئے۔۔۔ دل کا سکون نکل گئے۔ کیوں بنایا تو نے ان کو؟ کیوں؟۔۔۔"

میں چلتا ہوا اُس عورت کے قریب آ گیا تھا جو بظاہر بڑی خستہ حالی کے عالم میں فنٹ پاتھ پہ پڑی تھی۔ مگر اسکی باتیں مجھے چونکا رہی تھیں۔ مجھے ابھی تک یہی سمجھ میں نہیں آیا آخر وہ مخاطب کس سے تھی۔ اب اسکی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ آواز بھاری اور دل کو چیرنے والا لہجہ۔۔۔

"میں رات بھر تیرے دیئے تجھے کو گود میں اٹھا کر اُس کا ایک ایک عضو چومتی اپنی ممتا کی حرارت اور غذا دیتی میں نے ایک دفعہ بھی غرور کو سر اٹھانے نہیں دیا۔ میں عاجز نمائی پل پل تیرا ٹھکر ہی بجالاتی رہی۔ ایک ایک قدم پھونک کر رکھتی کہیں کوئی بے ادبی نہ کر جاؤں۔ میں نے اپنے جھیز کی چیزیں بیچ کر گاؤں کی دانے بھوننے والی مائی کو عمرے پہ بھیجا۔ میری ساس کو بعد میں علم ہوا۔ اُس نے مجھے بُرا بھلا کہا پر میں اُسکو کیا بتاتی میں نے منت مانگتی تھی۔ جب تو مجھے نوازے گا تو میں تیرے حبیب کے گھر پہ روزے کھلواؤں گی۔ میں خود نہیں جاسکتی تھی۔ ساس

کبھی نہ جانے دیتی۔ پر کوئی دوسرا تو جاسکتا تھا۔ اسی لیے میں نے اماں رشیدہ کو بھیج دیا۔ با وضو ہو کر دیسی گھی اور کھویا ڈال کر درود کا ورد کرتے ہوئے گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ ہر قسم کا خشک میوہ ڈال کر بخیری بنائی۔ صاف ستھرے ڈبوں میں ڈال کر اپنی امانت اماں رشیدہ کے حوالے کی۔۔۔ جس نے سنا وہی بولا گلہت بانو پاگل ہو گئی ہے۔ بھلا مدینے میں کس چیز کی کمی؟ جھلی عورت یہ سامان جہاز والے رکھ لیں گے۔ آگے نہیں جائے گا۔ پر میرا دل کہتا تھا۔ یہ سامان سیدھا آگے جائے گا۔ بھلا کس میں اتنی طاقت کہ وہ محبت کے ٹکھے کو روکتا؟ وہی ہوا، اماں رشیدہ نے چاچی فیضان کے گھر فون کر کے بتایا۔ صحن نبی ﷺ میں بیٹھ کر اُس نے روزے داروں کو حلوہ اور بخیری دی۔ جہاں کھینچ کھینچ کر مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ وہاں گلہت بانو کی بھیجی شربتی دو چار منٹ میں ختم ہو گئی۔ میرے دل کو سکون آیا۔"

بس ابھی تک نہیں آئی تھی۔ آج تو میں ہی نہیں سٹاپ پہ کھڑے سبھی لوگ لیٹ ہو گئے تھے۔ ایک دو طالب علم تو واپس گھروں کو پلٹ گئے تھے۔ دفتر جانے والے دو حضرات آٹو روک کر اُس پہ سوار ہو گئے تھے۔ اب سٹاپ پہ ایک اور لڑکا ہی بچا ہے یا پھر میں۔ مگر میں سٹاپ پہ نہیں ہوں۔ اُس چادر کے پاس بنی چھوٹی چھوٹی کیاری کی دیوار پہ بیٹھ گیا ہوں۔ نہ یہ عورت پُچ کر رہی ہے نہ چادر اٹھاتی ہے۔ کبھی روتی ہے۔ کبھی روتے روتے ہنسنے لگتی ہے۔ مگر خاموش نہیں ہو رہی۔۔۔۔۔

"علی اصغر نے پیر پیر چلنا شروع کیا تو میں اُس کا سایہ بن گئی۔ اُس کو چومتی، لاڈ اٹھاتی۔۔۔ بھلا اس میں ایسا کیا عمل تھا جو نیا تھا یا عجیب تھا؟ ہر ماں اپنی اولاد پہ یونہی تو مہرتی ہے۔ پھر تجھے میرا کونسا عمل ناپسند آ گیا؟۔۔۔۔۔ مولا تیرے بندوں نے مجھ سے میری اکلوتی خوشی چھین لی۔ مولا تیری بندوں نے میرے جگر کا ٹکڑا چھین لیا۔ مولا میں نے کسی تھانے میں روپوٹ نہیں کروائی۔ کہیں ایف آئی آر نہیں کٹوائی۔ مجھے قتل کرنے والوں سے انصاف نہیں لینا۔ مولا مجھے تجھ سے انصاف چاہیے۔"

میں اُس عورت کی آواز سے مسمرانہ ہو کر سننا چلا جا رہا تھا۔ دور سے ایمو لینس کی آواز آتی سنائی دی۔ چادر میں چھپے وجود میں ایک دم حرکت ہوئی۔ چادر کو تن سے اتار کر سر پہ لپیٹتی وہ عورت برق رفتاری سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا لباس بھی چادر کی طرح میلا اور بدرنگ ہی تھا۔ ننگے پیر۔۔۔ پیر کے لمبے ناتراشیدہ

ناخنوں میں میل جمی ہوئی تھی۔

”سارے لوگ آگے سے ہٹ جاؤ۔ اصغر علی کی سواری آرہی ہے۔ لوگوں تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔ لال بتی کا راستہ خالی کر دو۔ تمہیں اُسکا واسطہ جسکا کلمہ پڑھتے ہو۔ میں نے علی اصغر یونہی حاصل نہیں کیا۔ میں نے بڑے چلے کاٹے ہیں۔ میرے عمر بھر کی محنت ہے۔ میرا اکلوتا سرمایہ ہے۔ اسکو میں نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ میرے علی اصغر کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ وہ گر گیا تھا۔ سر پہ چوٹ آئی ہے۔ گاؤں والا ڈاکٹر کہتا ہے۔ اسکو جتنی جلدی ہو ہسپتال لے جاؤ۔ اسکا بہت سا خون بہہ گیا ہے۔ اسکو فوری خون کی ضرورت ہے۔ وہ کہتا ہے۔ اگر بروقت اسکو ہسپتال نہ لے جایا گیا تو اسکا دماغ متاثر ہوگا۔ وہ کوئے میں چلا جائے گا۔“

میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اُجڑے حال والی ادھیڑ عمر عورت اونچی اونچی دہائیاں دے رہی تھی۔

آنے جانے والے سرموڑ کر اسکو دیکھتے ضرور مگر میرے علاوہ کسی اور کے پاس اتنا فضول وقت نہیں تھا جو کھڑا ہو کر پورے غور سے اُس عورت کی دہائیاں سننا۔۔۔۔۔

”تم لوگوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا ہے؟۔۔۔ کتنے علی اصغر مارو گے؟۔۔۔ لال بتی آرہی ہے۔ اُسکا راستہ صاف کر دو۔ اُسکو جانے دو۔ کسی کی زندگی کا سوال ہے۔ تم نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ اس پاکستان کی عوام نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ میرا بچہ لال بتی والی گاڑی میں تڑپتا رہا۔ سسکتا رہا۔ میں گاڑی سے نکل کر دیوانہ وار بھاگتی رہی تم لوگوں کی منتیں کرتی رہی۔ بے حس جانور تمہارے کان پر جوں تک نہ رہیگی۔ میرا علی اصغر مار دیا۔۔۔۔۔ اُسکا خون بہتا رہا۔۔۔ اُسکی سانسیں اُکھرتی رہیں اُسکو آکسیجن کی ضرورت تھی۔ تم لوگوں نے اتنے بڑے بڑے محل بنا لیے۔ ایوانوں میں بیٹھ کر میرے بچے کا نصیب لکھنے والوں میں تمہیں بخشنے والی نہیں ہوں۔ روز قیامت کھڑی ہو کر اپنے اللہ سے انصاف مانگوں گی۔ اپنے علی اصغر کے خون کا حساب مانگوں گی۔ تب میرا رب میرا منصف ہوگا۔ تمہاری دولت تمہاری سفارش نہیں بنے گی۔ نگہت بانو کمزور نہیں ہوئی ہے۔ نگہت بانو ہر لال بتی کا راستہ صاف کرنے تک یونہی چلاتی رہے گی۔ میرے علی اصغر کی آخری سانس شائع بیچ جاتی اگر تم لوگوں نے اپنی گاڑیاں ایک طرف کر کے لال بتی کو گزرنے دیا ہوتا۔ نہ جانے کتنی ہی طرح کی تعلیمی ڈگریوں پر نازاں تم رویوں سے جاہل لوگ ایک دن میں کتنی ماؤں کی کوکھ اُجاڑتے ہو۔ جانے کتنے علی اصغر کھا گئے ہو۔ لال بتی کو جانے دیا کرو۔

السلام علیکم

FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور چیچ پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

اپنی کانوں کی میل نکالوتا کہ تمہیں ماؤں کے ہاڑے سنائی دیں۔ اپنی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتاروتا کہ تمہیں ڈکھ کی بھٹی میں چلتی نگہت بانو جیسی اپنے زخیوں کو مرتے دیکھنے والی عورتیں دکھائی دیں۔ علی اصغر کو کھودینے پر دین محمد پاگل ہو گیا ہے۔ دوسروں کی اولاد کھونیکا غم تم کیا جانو۔۔۔۔۔ صرف تم لوگوں کی وجہ سے ایک ہنسا بستا گھر اُجڑ گیا۔ تم لوگوں کو تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ آج بھی ہنس رہے ہو۔ خوشیاں منارہے ہو۔ ناچ گارہے ہو۔ بے حس قاتلو۔۔۔۔۔ تمہیں اللہ پوچھے گا۔ میرے درد کا گواہ میں نے اللہ کے حبیب ﷺ کو رکھا جن کے سامنے تمہارے اعمال روزانہ فرشتے لے کر جاتے ہیں۔ جن کی گواہی اللہ کبھی رد نہیں کرتا۔۔۔۔۔ ایک دن نگہت بانو کا وقت بھی آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ میں تم سب کا دامن پکڑوں گی۔ اُن ڈاکٹروں کا دامن پکڑوں گی جنہوں نے کہا بی بی تمہارا بچہ نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ تیرا بچہ مرتا ہے تو مرے۔ ہم اپنے بچوں کی سہولتوں کو یقینی بنارہے ہیں۔ ہم نے ٹھیک نہیں لیا ہوا ہر حال میں اس ملک کی عوام کی خدمت کا۔۔۔ بے حس جانور۔۔۔۔۔ مار دیا میرے علی اصغر کو۔۔۔۔۔ لال بتی کو جانے دو، شاید وہ بچ جائے۔۔۔۔۔"

ایسبولینس کی آواز آنا بند ہو گئی۔ وہ عورت بڑبڑاتی ہوئی فٹ پاتھ پہ چلتی مجھ سے دور ہوتی گئی۔ میں اپنے آپ کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے جب میں اس عورت کے پاس آ کر بیٹھا تھا تب میں ایک نو جوان تھا۔ ان گزرے پندرہ بیس منٹ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری نظریں ابھی تک اُس عورت کا تعاقب کر رہی تھیں۔ فلاحی ادارے والوں کی گاڑی وہاں زکی گاڑی سے ایک آدمی برآمد ہوا آ کر بڑے کرخت لہجے میں پوچھنے لگا۔

"مائی تو آرام سے نہیں رہ سکتی۔ ہر دوسرے روز ہمیں تجھے کسی سڑک سے اٹھانا پڑتا ہے۔ تجھے ڈر نہیں لگتا۔ اکیلی راتوں کو سڑکوں پہ گھومتی ہے۔"

میں تقریباً بھاگتا ہوا اُنکے قریب گیا۔

"پاغفور میں لال بتی کا راستہ صاف کرنے آئی تھی۔"

"بیٹھو گاڑی میں۔ پاگل عورت راستے صاف کرتی پھر رہی ہے۔"

"انکل کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ یہ کون ہیں اور انکے ساتھ کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

اس سے پہلے کہ آدمی نگہت بانو کو لیکر وہاں سے جاتا میں نے جلدی سے سوال کر دیا۔

"یار یہ ایک پاگل ہے۔ اسکا ایک ہی ایک بیٹا تھا۔ یہیں قریب اسکا گاؤں ہے۔ اپنے بیٹے کو لیکر یہ اور اسکا میاں یہاں جنرل ہسپتال آئے۔ مگر ڈاکٹروں کی ہڑتال چل رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے دیکھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کسی پرائیویٹ ہسپتال میں لے جاؤ ایسبیلنس میں بھر کر دوسرے ہسپتال لیکر جا رہے تھے۔ جس راستے سے گزرتا تھا وہ سڑک منسٹر کی سکیورٹی کی خاطر بند کر دی گئی تھی۔ یہ دوسرے راستے ہوئے۔ وہاں پہ کسی نے ہنگامہ کر کے ٹریفک جام کیا ہوا تھا۔ اس کا بچہ سیریس حالت میں تھا۔ جب کوئی چارہ نہیں نظر آیا تو نگہت مائی اپنے چھ سال کے بچے کو گود میں لیکر گاڑیوں کے درمیان سے بھاگی ہے۔ مگر جب تک ہسپتال پہنچی بچہ دم توڑ گیا تھا۔ پانچ سال ہو گئے۔ تب سے یہ واپس گاؤں نہیں گئی۔ اسکی ساس اسکو ہمارے ادارے میں جمع کروا گئی۔ کبھی کبھار اسکی خبر لینے آ جاتی ہے۔ اسکا شوہر دو سال پہلے دل کا دورہ پڑنے سے چل بسا ہے۔ جب موقع ملتا ہے سینٹر سے نکل کر یونہی سڑکوں پہ چلتی ایک ہی بات کرتی ہے۔ لال بتی کا راستہ کھول دیا کرو۔۔۔۔۔ پانچ سال سے یہی ڈہائی دے رہی ہے۔ مگر شتا کون ہے؟۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔۔۔"

وین کی کچھلی سیٹ پہ بیٹھی نگہت بانو ٹریفک پہ نظر لگائے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"ڈاکٹر بھی قاتل، لوگ بھی قاتل، گورنمنٹ بھی قاتل، سب کے ہاتھوں پہ خون ہے، پردیکھو لال بتی کا راستہ نہ روکو۔ لال بتی جانے دو۔۔۔ علی اصغر موت سے جنگ لڑ رہا ہے۔ اسکو جانے دو۔۔۔۔۔"

"آہستہ آواز میں بولتی بولتی وہ ایک دم چلانے لگی۔۔۔۔۔ چننے لگی۔۔۔۔۔"

"کتنوں کو مار کر تم لوگوں کا ضمیر جاگے گا؟۔۔۔ کبھی جاگو گے بھی یا یونہی مردوں سے بدتر زندگی گزارو گے۔ مار دو سب کو مار دو۔۔۔ درندو سب کو مار دو۔۔۔ خون پینے والی گر جو کھا لو جگر کے ٹکڑے پر میرے اللہ کے عذاب سے تمہیں کوئی نہیں بچائے گا۔ میرا وارث میرا نبی ﷺ ہے۔ میرا وارث میرا اللہ ہے۔ نگہت بانو لاوارث نہیں ہے، غریب نہیں ہے۔ سن رہے ہو۔۔۔ تم بچو گے نہیں۔۔۔۔۔ جواب دو گے۔۔۔۔۔"

وین چلی گئی۔۔۔ نگہت بانو کی فریادی آواز آنا بند گئی۔۔۔ مگر میرے اندر باہر دھواں بھر گئی۔۔۔

جب تک میں واپس اپنے گھر پہنچا کئی دفعہ اپنے آنسو صاف کئے۔ سارا راستہ روتے ہوئے میں یہی سوچتا

آیا ہوں کہ جو پیغام آج نگہت بانو مجھے دیکر گئی ہیں۔ میں وہ پیغام آگے پہنچاؤں گا۔ میں اور میرے جیسے کئی دوست سوشل میڈیا پہ ہر طرح سے بہت ایکٹو ہیں۔ میں بھی نگہت بانو کی طرح چیخ چیخ کر لوگوں تک اپنی بات پہنچاؤں گا۔ کل کو میں بھی باپ بنوں گا۔ اور میں اپنے علی اصغر کو کھونا نہیں چاہتا ہوں۔ نگہت بانو نے اپنا علی اصغر کھو دیا ہے۔ پر اُسکو پھر بھی ہر ماں کے علی اصغر کی فکر ہے۔ گندے میلے حلیے والی نگہت بانو کا کتنا پیارا دل ہے۔ کتنی اجلی عورت ہے۔ جب میں نے اپنے گھر کی گھنٹی پہ انگلی رکھی تو دل میں یہ بھی ارادہ کر لیا تھا کہ میں نگہت بانو سے ملنے جاؤں گا۔ میں بھی تو اس قوم کا بیٹا ہوں۔ نگہت بانو میری قوم کی ایک ماں ہے۔ ایک طرح سے میں بھی تو اُس کا علی اصغر ہوں۔ میں ضرور اسکے مشن کو آگے بڑھاؤں گا۔۔۔ ان شاء اللہ



سورجی دوا گھر